بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# زبان کی حفاظت

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علىٰ أشرف الأنبياء والمرسلين وعلىٰ اٰله وأصحابه أجمعين : أما بعد !

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم ۝ بسم الله الرحمن الرحيم ۝

مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ ۝١٨

## زندگی: ایک قیمتی سرمایہ

بزرگو اور بھائیو! کچھ دنوں سے ہم سب کا اپنی زندگی کی تربیت کے باب میں سبق چل رہا ہے۔ ہماری زندگی بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ نیز ہمارا بدن اور اس کے اعضاء بھی قیمتی ہیں۔ زندگی اس لیے قیمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختصر سا وقت دے کر ہمیں دنیا میں بھیجا ہے۔ فضائلِ قرآن میں صحائفِ موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف میں کیا تھا؟ یہ صحائف موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے دیے گئے تھے۔ دس صحیفے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، ان میں احکام نہیں تھے؛ بلکہ عبرت اور تربیت کی باتیں تھیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ زہاد اور صوفیا صحابہ میں سے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ پر تصوف کا غلبہ بہت زیادہ تھا، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ کی جتنی روایات ہیں، ان کا تعلق بھی تصوف، انسان کی زندگی اور مابعد الموت کی باتوں سے ہے۔

## حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ایمان کا واقعہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ایمان کا واقعہ بھی بہت عجیب وغریب ہے۔ان کو پتا چلا کہ مکہ میں ایک آدمی ہے، جس کا نام محمد ہے، جو اپنے بارے میں نبی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو اپنے بھائی کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ بھائی نے واپس آکر رپورٹ دی؛ لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تسلی نہ ہوئی تو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک تھیلا لیا، اس میں کچھ کھجوریں تھیں، میں قبیلۂ غفار سے مکہ آیا اور مطافِ کعبہ میں قیام کیا۔

ابھی جو مطاف ہے اُس زمانے میں ایسا نہیں تھا۔قطب الاقطاب حضرت شیخ مولانا محمد شیخ زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے بھی کنکروں پر طواف کیا ہے۔فرماتے ہیں: ایسے کنکر تھے جو پاؤں میں چبھتے تھے، وہاں ایک مخصوص قسم کے چپل رکھے جاتے تھے، ان کو پہن کر طواف کرنا ہوتا تھا۔حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا تو ابھی ۱۹۸۲ء میں انتقال ہوا۔ جب کہ نبوی زمانے میں تو پھریلی زمین ہوگی، چاروں طرف پہاڑ ہوں گے، ایسا ہوگا۔

## مسجدِ حرام

مسجد حرام اصلاً کعبۃ اللہ کو کہتے ہیں، جو چاروں طرف ہے وہ مسجد حرام نہیں ہے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اُس وقت صرف کعبہ تھا، یہ مسجد نہیں تھی۔ لوگ موجودہ مسجد کو مسجدِ حرام کہتے ہیں، جو چاروں طرف ہے یہ مسجد ہے، اصل مسجدِ حرام کعبۃ اللہ ہے۔اور اس کے چاروں طرف طواف کرنے کی جگہ تھی اور طواف کی جگہ سے بالکل متصل لوگوں کے مکانات تھے۔ چاروں طرف باؤنڈری نہیں تھی، سب مکانات تھے۔ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِن مکانات اور مطاف کے درمیان میں دیوار بنائی۔اس لیے کہ یہ مکانات آگے بڑھتے جا رہے تھے جس کی وجہ سے مطاف کا حصہ کم پڑتا جا رہا تھا۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مطاف کو کشادہ کرنے کا وقت آیا، چوں کہ اسلام بہت دور تک پھیل گیا تھا اور اب لوگ عجم سے بھی حج کرنے کے لیے آرہے تھے، اس لیے مطاف کو وسیع کرنا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مکان والوں سے کہا کہ اپنے مکان کے پیسے لے لو اور مکان خالی کرو، ہمیں مطاف کی توسیع کرنا ہے۔ لوگوں نے انکار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ حضرت بہت نرم تھے؛ لیکن اس مسئلے میں سختی کی۔ دین کے مسائل میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی سختی ثابت ہے، باوجود یہ کہ انتہائی نرم تھے؛ لیکن دینی مسائل میں سختی فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم پیسے نہیں لو گے تو میں تمہارے مکان کے دروازے پر پیسے رکھ دوں گا، تمہیں جبراً پیسے لینے ہوں گے اور ہم مکان گرادیں گے۔ اب اس سے کوئی استدلال نہ کرے کہ مسجد بنانے کے لیے جبراً مکان گرانا خاطر جائز ہے۔ وہاں کا مسئلہ اور تھا۔ وہ مسئلہ یہ تھا کہ وہاں جو مکانات بنے تھے وہ کعبۃ اللہ کی زمین تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کو وہاں چھوڑا، پھر پانی نکلا تو اس پانی کو روک دیا گیا۔

## مصلحتِ خداوندی

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اماں حضرت ہاجرہ علیہا السلام اگر پانی کو نہ روکتیں تو یہ پانی پوری دنیا میں پھیل جاتا؛ لیکن عجیب وغریب حکمت ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے روکا۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت کو کون سمجھ سکتا ہے؟ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس لیے روکا کہ اگر یہ پانی پوری دنیا میں پھیل جاتا تو زم زم کا جو مقام اور محترم اور احترام ہے وہ نہ رہتا، اس لیے وہیں مخصوص کر دیا گیا؛ تاکہ اس کا مقام باقی رہے۔ جب کعبۃ اللہ بنا تو یہ ساری زمین

کعبہ کی تھی، وہاں کوئی آباد ہی نہیں تھا، وہ تو قبیلۂ جرہم والوں نے پانی دیکھا اور اس کی وجہ سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے پوچھا کہ ہم یہاں رہ سکتے ہیں؟ تو فرمایا کہ رہ سکتے ہو؛ لیکن پانی پر ہمارا قبضہ ہمارا، تمہارا نہیں۔ اس لیے کہ پانی ہمارا ہے، ہم چاہیں گے تو دیں گے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استدلال فرمایا کہ اگر اپنے احاطے میں پانی ہو تو آپ اپنا پانی اپنے قبضے میں رکھ سکتے ہو۔

بہرحال! یہ زمین کعبۃ اللہ کی تھی، اس لیے کہ یہ لوگ بعد میں آ کر آباد ہوئے تھے، جب بعد میں آباد ہوئے تو کعبہ کو جب زمین کی ضرورت پڑی تو مکان اگرچہ تمہارا ہے، زمین تو کعبہ کی ہے، اس لیے مکان کے پیسے دے دیے کہ یہ زمین خالی کرو۔ یہ ہے اصل بنیاد۔

## عجیب مقدمہ

دوسری طرف مسجدِ نبوی میں دورِ عمری رضی اللہ عنہ میں ایک مسئلہ پیش آ گیا۔ وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آگے کی طرف سمتِ کعبہ میں دو صفوں کا اضافہ کیا تھا۔ اُس وقت وہاں درمیان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کا پرنالہ اس طرح آ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے آگے مسجد بڑھانے میں تھوڑا سا مسئلہ ہو رہا تھا، رکاوٹ بن رہی تھی۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اس کو تھوڑا سا توڑ دیں؛ تاکہ مسجد کی توسیع ہو جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نہیں توڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں توڑو گے میں جبراً توڑ دوں گا، چناں چہ جبراً توڑ دیا۔ اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے شریعت کے خلاف کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے مسجد کے لیے کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود خلیفۃ المسلمین ہیں؛ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ فیصل

نہیں، اس لیے کہ آپ مدمقابل بن چکے ہیں۔اس لیے فیصل کوئی تیسرا ہونا چاہیے۔

وہاں تو یہی مسائل تھے، وہاں تو دین ہی دین تھا، نفس تھا ہی نہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ میں خود امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین ہوں، کوئی تیسرا کیسے فیصل ہوسکتا ہے؟ وہاں تو یہ حالات تھے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شکایت لے کر پہنچے، کوئی پیسوں کی شکایت نہیں تھی کہ فلاں نے میرے پیسے لے لیے، میری زمین لے لی؛ بلکہ یہ شکایت کی کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہنوں میں دین کی اہمیت کیسی تھی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عثمان! یہ صحیح کہہ رہے ہیں؟ فرمایا: حضرت! واللہ! مجھے نہیں معلوم، قسم کھا کر فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: واللہ! میں نے سلام کیا۔اب دونوں قسم کھا رہے ہیں۔تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی بنیاد پر میرے قلب میں ایسی بے چینی تھی کہ مجھے علم نہیں ہوا، میں نے ان کا سلام نہیں سنا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صحیح کہہ رہے ہیں ۔تو یہ حضرات سلام کی شکایت لے کر جاتے تھے۔ اسی لیے علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ پہچاننے والوں کو سلام کریں گے، نہ پہچاننے والوں کو سلام نہیں کریں گے۔آج یہی حال ہے۔

اب کوئی تیسرا فیصل چاہیے! تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو فیصل بنایا۔تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی دینی مسئلے کے خاطر کسی کے مال کو جبراً نہیں لیا جا سکتا، نہ زمین نہ کوئی اور چیز؛ مگر اس کی رضامندی ہو۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیث آگئی تو یہاں مسئلہ یہ تھا کہ پرنالہ اور زمین دونوں حضرت عباس رضی اللہ عنہ

کی ملکیت تھی تو ان کی رضا مندی ضروری تھی۔ جب کہ مکہ میں وہ زمین لوگوں کی نہیں تھی، وہ تو کعبۃ اللہ کی زمین تھی، یہاں اپن کی اپنی زمین ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عباس! میں ٹیڑھا ہوتا ہوں، میرے اوپر کھڑے ہو جاؤ اور اپنا پرنالہ لگا لو، اس لیے کہ میں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے خلاف کیا۔ اللہ ہمیں ان باتوں کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

آج ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ ہم صرف کہنے سننے کے رہ گئے، مجھے کہنے میں لذت آ رہی ہے، آپ کو سننے سے لذت آ رہی ہے، ہمارے پاس ان لذتوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہماری عملی زندگی بالکل خالی ہے۔

## یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت چل رہی تھی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ زہاد صحابہ میں سے ہیں۔ تو وہ مکہ آئے، مطافِ کعبہ میں قیام کیا، نہ کسی کو پوچھ رہے ہیں، نہ کوئی ان سے پوچھ رہا ہے۔ شام ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کھانے لے گئے؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ نہیں پوچھا، انہوں نے بھی نہیں پوچھا۔ مہمان ہیں تو کھلا دیا۔ پھر مطافِ کعبہ میں سو گئے۔ دوسرے دن پھر یہی واقعہ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لے گئے، پھر آئے اور سو گئے۔ تیسرے دن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کھانے لے گئے تو پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ فرمایا: میں غفار سے آیا ہوں، مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرنی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں لے چلتا ہوں، میرے پیچھے پیچھے چلو۔ چناں چہ دارِ ارقم میں پہنچا دیا جو آپ کا عبادت خانہ تھا، وہاں مجلس ہوتی تھی، وہاں پہنچ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کوئی سوال نہیں کیا، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

یہ کہہ کر ایمان لے آئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف میں کیا تھا؟ فرمایا: ان صحائف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے ان لوگوں پر جن کو موت کا یقین ہے، پھر بھی مست رہتے ہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جن کو موت کا یقین ہے، پھر بھی کِھل کھلا کر ہنستے رہتے ہیں۔ اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مثال دی کہ ایک انسان کو یہ کہہ دیا گیا ہو کہ تجھے پھانسی ہونے والی ہے، اب بتایئے! اس کے دن کیسے گزریں گے؟ وہ ہنسے گا؟ مست رہے گا؟ حضرت نے یہ مثال دے کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اللہ نے بھی ہمیں موت کی گھنٹی بجا دی ہے، پھر بھی ہمیں عبرت نہیں، اور ہم ایسی زندگی گذار رہے ہیں۔ اذکروا ذکرَ هازم اللذاة يعني الموت لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو یاد کیا کرو، اور اس کے لیے قبرستان جایا کرو۔ قبرستان جانے سے ہمیں آخرت کی یاد اور فکر تازہ ہو جاتی ہے، اور عبرت کی نظر سے جاؤ۔

علم تو ہے، استحضارِ علم نہیں ہے۔ سب کو موت کا علم ہے: اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ جہاں بھی تم رہو اللہ تمہارے ساتھ ہے، سب جانتے ہیں؛ لیکن جب کوئی کام کرتے ہیں تو استحضار نہیں رہتا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ جب موبائل دیکھ رہے ہیں، گناہ کا کام کر رہے ہیں تب استحضار نہیں ہے کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ جب کام کرتے ہیں اس وقت یاد ہی نہیں آتا، شیطان ہم کو بھلا دیتا ہے۔ تو عبرت کی نظر سے ہم قبرستان جایا کریں۔ اللہ کرے کہ ہم اپنی آخرت و عاقبت کی فکر کرنے والے بن جائیں۔

## زبان کے گناہ

ہمارا سبق چل رہا تھا کہ ہم اپنے آپ کو زبانی گناہوں سے بھی بچائیں۔ زبان قینچی کی طرح چلتی ہے، اس سے اتنے گناہ نکلتے ہیں کہ اس کے گناہوں کی ایک فہرست ہے۔ سب سے زیادہ گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک گناہ گالی گلوچ ہے، گندی باتیں بولنا۔ علما نے لکھا ہے کہ جب تم گالی بولتے ہو تو دو گناہ ہوتے ہیں: (۱) گندگی بولنے کا (۲) الزام رکھنے کا۔ اس لیے کہ گالی میں ماں، بہن کا نام یا فلاں، فلاں کا نام بولتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ اس کی بہن اور ماں ایسی نہیں ہے، اور تم نے اس طرح کے کلمات بولے تو گندگی بولنے کے ساتھ الزام بھی رکھا۔ الزام اتنا سخت گناہ ہے کہ جب انسان بولتا ہے تو اللہ کا عرش ہلتا ہے۔ اس لیے گالی نہ بولیں۔

بخاری شریف کی روایت ہے: سباب المسلم فسوق و قتاله كفر مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ فسق کے معنیٰ اللہ کی اطاعت سے نکل گیا۔ دنیا میں ہمارے والد ہم سے یوں کہہ دیں کہ تم میری اطاعت سے نکل گیا، اب میرے گھر سے نکل جا! تو ہمارا منہ چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اللہ بھی کہتا ہے جب تم گالی بولتے ہو تو میری اطاعت سے نکل گئے اور جو اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا ہے، وہ اللہ کی رحمت سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے اپنی زبان کو گالی گلوچ اور گندی باتوں سے بچائیں۔

(۲) ہماری زبان سے دوسرا لعنت کا گناہ ہوتا ہے، ہم لعنت کے کلمات بولتے ہیں ۔لعنت کے معنیٰ اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔ میں اور آپ کون ہوتے ہیں جو کسی کو اللہ کی رحمت سے دور کریں؟ مجھے اور آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم کسی کو اللہ کی رحمت سے دور کریں؟

اس لیے عمومی لعنت جائز ہے، خصوصی نہیں ۔: جیسے قرآنِ کریم میں ہے: اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ جتنے ظالم ہیں ان پر لعنت ہو۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ عمومی لعنت کا مطلب ہے، یہ جائز ہے؛ لیکن لعنة الله علی زید۔ یہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس زید اور بکر کو میں لعنت بھیج رہا ہوں اس کا مقام اللہ کے وہاں کیا ہے مجھے نہیں معلوم۔ اس لیے مجھے نام لے کر لعنت کی اجازت نہیں ہوگی۔

غزوۂ بدر کے باب میں لکھا ہے کہ بدر میں مارے جانے والے کفار کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو گالی گلوچ جیسے گندے کلمات اور برا بھلا کہا۔ حضرت نے فرمایا: ان کو اس طرح نہ کہو، اس لیے کہ وہ تو چلے گئے، ان کو کچھ پتا نہیں ہے؛ لیکن ان کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف ہوگی تو تم کسی زندہ کو تکلیف پہنچانے والے ہوں گے۔ حالاں کہ وہ دشمن تھے، اس کے باوجود منع فرمایا۔

(۳) تیسرا گناہ چغلی ہے، جس کو نمیمہ کہا جاتا ہے۔ اِس کی بات اُس کو، اور اُس کی بات اِس کو، جس کی آج ایک عام فضا بنی ہوئی ہے۔ یہاں سے بات لی، اس کو واں پہنچایا، وہاں سے بات لی، یہاں پہنچایا، اور اس سے آپس میں لڑائی، جدائی اور دوری پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بھائی بھائی میں جدائی کرواتے ہیں، باپ بیٹے میں جدائی کرواتے ہیں، دوست دوست میں جدائی تفریق کروا دیتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک اس میں سے پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا۔ معلوم ہوا طہارت میں بہت احتیاط رکھنا چاہیے۔ دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ اِس کی بات اُس کو، اُس کی بات اِس کو پہنچاتا تھا۔ مسلم شریف میں

جہاں یہ روایت آئی ہے وہاں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حجت الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی کسی کی چغلی لے کر ہمارے پاس آئے تو ۶/ باتیں سامنے رکھیں۔

(۱) اس کی بات پر یقین نہ کریں۔ اس لیے کہ یہ چغلی کر رہا ہے۔ چغلی کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کرنے والا فاسق ہے، اس لیے فاسق بات پر اعتماد نہ کریں۔

(۲) اگر آپ اس کو روک سکتے ہیں تو روک دیں۔

(۳) جس کے متعلق کہا جا رہا ہے اس کے کہنے کی وجہ سے بدظن نہ ہو جانا؛ ورنہ بدظنی کا گناہ ہوگا۔

(۴) ہو سکے تو اس کو نصیحت کرو کہ بھائی! اس طرح کا کام نہ کیا کرو، یہ بہت بری بات ہے۔ دو باتیں کچھ اور ہیں، کل چھ باتیں ہیں۔

کسی کے درمیان جدائی کروا کر مجھے اور آپ کو کیا ملے گا؟ دو دوست اچھے خاصے مل کر زندگی گزار رہیں، پارٹنر شپ کر کے اپنا کاروبار کر رہے ہیں، ان کو جدا کر کے مجھے کیا ملے گا؟ میں ایسے کام کیوں کروں جس کی وجہ سے امت میں اختلاف وتفریق پیدا ہو جائے؟

## امت بہت ٹوٹ چکی ہے

میرے بھائیو! امت میں جوڑ پیدا کرو، توڑ پیدا نہ کرو، امت کو ملاؤ، امت میں تفریق نہ کرو۔ امت بہت ٹوٹ چکی ہے۔ غیروں نے ہمارے ٹوٹنے سے بہت فائدے اٹھا لیے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ ٹوٹے ہوئے ہیں، اسی لیے کبھی اِس کو مخبر بناتے ہیں، کبھی اُس کو مخبر بناتے ہیں اور ہمارا مسلمان ۵۰۰/ روپے؛ بلکہ ۵۰۰/ روپے تو میں نے بہت کہہ دیے، پولیس تھانے میں جا کر ایک چائے پلائی جاتی ہے، اسی ایک چائے پر مخبر بن جاتا

ہے۔ یہ چغلی بدترین گناہ ہے، جس کی وجہ سے قبر میں عذاب ہوگا۔

(۴) چوتھا گناہ تمسخر ہے۔ کسی کو حقیر سمجھ کر اس کا مذاق اڑانا۔ قرآنِ کریم میں جب جب اللہ نے مسائل بیان فرمائے، مرد کو خطاب کیا عورتوں کو ضمناً لے لیا، مردوں کو کہا، اس میں عورتیں شامل ہوگئیں؛ لیکن دو جگہیں ایسی ہیں جہاں اللہ نے عورتوں کو بھی علاحدہ خطاب کیا۔ پہلے مردوں سے کہا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ پھر عورتوں سے کہا: وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ یہاں دونوں کو الگ الگ مخاطب کرنا اس گناہ کی قباحت کی طرف اشارہ ہے کہ تم کسی کو حقیر سمجھ کر مذاق نہ اڑاؤ، آج تمسخر کا ایک ماحول بنا ہوا ہے، اشاروں سے مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اِدھر میں بات کر رہا ہوں تو جی جی ہو رہا ہے، اور اُدھر دوستوں کے سامنے آنکھ جھپکا کر بات کو رد کر دیا جاتا ہے، یہ مذاق ہے جو ہم اپنے ساتھی سے کر رہے ہیں۔ اس کو معمولی نہ سمجھیں۔ اس طرح میرے آنکھ بند کر کے مذاق کرنے کو چاہے کسی نے نہیں دیکھا؛ لیکن وہ رب دیکھ رہا ہے۔

البتہ مزاح جائز ہے۔ مزاح کے معنیٰ بات کی حقیقت ہو، ساتھ میں ذرا سی دل لگی ہو۔ اس میں کسی کی حقارت نہیں، ذرا ہنسنے کی بات ہو، اس میں کسی کی تحقیر نہیں ہوتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تمسخر ثابت نہیں، مزاح ثابت ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دل لگی فرماتے تھے، بات سچی ہوتی تھی، اس میں کچھ ہنسی ہوتی تھی۔ مثلاً: ایک عورت نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں جنت میں جاؤں گی؟ حضرت نے فرمایا: کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائے گی۔ وہ رونے لگی تو حضرت نے فرمایا: یعنی کوئی بوڑھی عورت بوڑھاپے کے ساتھ نہیں جائے گی، اللہ جوان بنا کر بھیجے گا۔ حضرت نے ذرا دل لگی فرمائی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مجھے اونٹنی کی ضرورت ہے۔

حضرت نے فرمایا: تمہیں اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ عرض کرنے لگے: اونٹنی کا بچہ؟ حضرت! سواری کے لیے بچہ کس کام کا؟ مجھے تو اونٹنی چاہیے۔ حضرت نے فرمایا: وہ اونٹنی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو؛ اس کی ماں کا تو بچہ یہ ہوگا۔ حضرت نے تھوڑا سا انداز بدل دیا کہ میں تجھے بچہ دوں گا۔ جیسے آپ ۵۰، ۶۰ر سال کے ہوگئے؛ لیکن اپنی ماں کے تو بچے ہی ہیں، اپنے باپ کے بچے ہی تو ہیں۔ تو مزاح جائز ہے۔

مسلم شریف کی جلد ثانی میں روایت ہے: کبھی تم کسی کی حقارت کرتے ہو تو اللہ یوں کہتا ہے: میں اس کو توبہ کی توفیق دوں گا اور تجھے تیرے تکبر، غرور اور تیرے تمسخر کی بنیاد پر جہنم میں بھیجوں گا۔

قرآنِ کریم میں دوسرا مقام جہاں عورت کو علاحدہ خطاب فرمایا، وہ نگاہوں کو نیچی رکھنے کا مسئلہ ہے۔ مرد و عورت دونوں کو الگ الگ خطاب فرمایا۔ اس لیے کہ زنا تک پہنچانے والی ساری برائیوں کی جڑ آنکھیں ہیں۔

(۴) زبان سے ہونے والا ایک بہت بڑا گناہ غیبت ہے۔ غیبت کے معنیٰ کسی میں کوئی عیب موجود ہو، میں اس کی پیٹھ پیچھے اس بات کو بیان کروں، جس کو وہ سنے تو اس کو تکلیف ہو محسوس ہو، اس کو غیبت کہا جاتا ہے۔ اگر آپ اس کی اصلاح ہی کرنا چاہتے ہیں تو خلوت میں جا کر براہِ راست مل لیں کہ آپ کے اندر یہ بات ہے، آپ اس کی اصلاح کر لیں۔ یہ اصلاح کا حق اس کو ہوگا جو مصلح ہو، ہر ایک کو نہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مصلح ہونے کے لیے خیر خواہ ہونا ضروری ہے۔ اگر خیر خواہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ خیر خواہی میں نہیں؛ بلکہ غرور اور تکبر میں کہہ رہا ہوں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کسی کے بارے میں جو چیز میں کہہ رہا ہوں وہ اس میں نہیں ہے تو کیا ہوگا؟ جیسے کسی کے بارے میں کہا: وہ نالائق ہے۔ اور وہ ایسا نہیں ہے، تو حضرت نے فرمایا: پھر تو وہ بہتان ہے، اور بہتان غیبت سے بھی بدتر ہے۔ بعض روایتوں میں ہے: الغيبة أشد من الزنا غیبت کا گناہ زنا سے بھی بدتر ہے۔ اس لیے کہ زنا لازم فعل ہے اور غیبت متعدی، دوسروں تک پہنچنے والا فعل ہے۔ بہت بدترین چیز ہے، اس لیے اپنے آپ کو غیبت سے بچائیں، اپنی زبان قابو میں رکھیں۔

## پہلے تولو؛ پھر بولو

ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ ایک جملہ فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیشہ وہ بولو جس کو تم قیامت میں ثابت کرسکو۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ ہم جو بول رہے ہیں، وہ اللہ کے پاس محفوظ ہے، سارا ریکارڈ ہے۔ میں ابھی جو بھی بول رہا ہوں اللہ کے وہاں ریکارڈ ہو رہا ہے۔ ہر انسان کے دونوں طرف فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں، جو سب کچھ ریکارڈ کر رہے ہیں۔ آپ دنیا کی فائل کمپیوٹر سے اڑا سکتے ہیں، اللہ کے وہاں کوئی فائل اڑ نہیں سکتی، وہاں سب محفوظ ہے، اس لیے ہم وہ بولیں جو اللہ کے وہاں ثابت کرسکیں۔

اللہ کے وہاں ثابت کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے کہ دنیا کے جج ہماری طرح ہیں؛ لیکن ان کا ایک رعب ہے، وہ ایک شان سے آتا ہے، جب وہ کورٹ میں آتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کا استقبال کرتے ہیں، سلام کرتے ہیں، جب تک وہ بیٹھ نہ جائیں آپ بیٹھ نہیں سکتے، جب دنیا کے اس جج کے سامنے بولنے سے جب ہچکچاہٹ ہوتی

ہے تو مالک الملک، ربِ ذوالجلال کے سامنے کیا ہوگا؟ دنیا کے اِس جج کے سامنے ہمارا وکیل کھڑا ہوتا ہے، جو ہماری طرف سے باتیں پیش کرتا ہے؛ لیکن قیامت کے دن ہمارا گواہ خود ہماری باڈی ہوگی؛ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ اگر میں نے جھوٹ بولا تو اللہ اس زبان کو کہے گا: بولنا بند کردے، بولنے کی صلاحیت ختم ہوجائے گی، ہم گونگے ہوجائیں گے۔ اب میرا ہاتھ کہے گا کہ ہاں! اس نے یہ کیا تھا، میرا پاؤں کہے گا کہ ہاں! اس نے یہ کیا تھا۔ دنیا میں چھپا سکتے ہیں، اللہ کے وہاں نہیں۔

قیامت میں اللہ کے قہر وغضب کا یہ حال ہوگا کہ انبیا نہیں بول پائیں گے، جہاں انبیا نہیں بول سکتے وہاں ہم کو بولنا ہے، اس لیے اپنے آپ کو غیبت سے بچائیں۔ یہ سارے گناہ جو گنوائے گئے ان تمام کا تعلق زبان سے ہے، زبان قینچی کی طرح چلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی زبانوں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے بھائیو! یہ باتیں عملی زندگی میں لانے کی ہیں، اس لیے اپنے آپ کو عمل پر لاؤ، اپنی زبان سنبھال کر رکھو، من صمت نجیٰ چپ رہو گے نجات ملے گی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نگفتہ ندارد کسے با تو قال　　　ولیکن چوں گفتی دلیلش بیار

ترجمہ: جب تک تو نہیں بولا تو کوئی تجھے نہیں پوچھے گا؛ لیکن جب تو بولا تو اب دلیل لا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خاموش رہو گے تو کوئی تم کو کچھ نہیں کہے گا، نجات پا جاؤ گے؛ لیکن بولیں گے تو ثابت کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی زبانوں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔